واقعۂ کربلا

علامہ سید اختر علی تلہری

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

سرور کائنات، فخر موجودات، جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے نواسے جناب امام حسین، شہید میدان کربلا، ذبیح دشتِ نینوا نے جس سطوت وصولت اور جرأت وہمت کے ساتھ شہادت کا خونیں کفن زیب تن فرمایا ہے اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز ہے۔ یہ سچ ہے کہ دشت کربلا کے بطل اعظم سے پہلے بھی بہت سے اس راستے پر چلنے والے ملتے ہیں۔ کسی کا جسم آرہ سے دونیم کیا گیا، کسی پر دسرے دل ہلا دینے والے مظالم روا رکھے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر جناب امام حسینؑ یکہ تاز، فارس میدانِ تہور وجلالت، شہ سوار معرکہ ہائے بسالت نے جس آن بان اور جس بہادرانہ شان سے احقاق حق فرمایا ہے وہ تاریخ عالم میں پایا نہیں جاتا۔

حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ ان سے نبرد آزما ہونے والے بہت سے وہ لوگ ہیں جن سے کسی نہ کسی راستہ سے کچھ تعلق نکل سکتا ہے۔ حضرت عباسؑ علمدار اور حضرت علیؑ اکبر کی مثالیں موجود ہیں کہ میدان جنگ میں ان کے قرابت داروں کو مختلف طریقوں سے آنے کی دعوت دی مگر انھوں نے نہایت حقارت سے ان کی ترغیبوں کو رد کر دیا، اور حق کے راستے سے نہیں ہٹے اور حسینؑ کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کر لیا۔

بات کیا تھی؟ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حق کا نور کدھر ہے اور باطل کا اندھیرا کدھر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان کے قدم کیونکر ڈگمگا سکتے تھے، حسینؑ نے تو حُر کو بھی اپنی طرف کھینچ بلایا تھا، حالانکہ حُر ہی حسینؑ کو میدان کربلا میں لانے کا باعث ہوئے تھے۔ مگر ان کے دل میں کہیں نہ کہیں حق کی چنگاری روشن ہو چکی تھی اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ معرکہ کسی نہ کسی طرح صلح پر ختم ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

امام حسینؑ کے قتل کی بڑی بڑی سازشیں کی گئی تھیں جن کی وجہ سے حسینؑ کو مدینہ چھوڑنا پڑا۔ اور آپ مکہ روانہ ہو گئے تھے، مگر وہاں بھی سازش کرنے والوں کی تلواریں آپ کے خون کی پیاسی تھیں، چنانچہ آپ حج تک نہ فرما سکے اور عازم کوفہ ہو گئے، آپ کوفہ کا عزم بھی نہ فرماتے مگر وہاں سے اشراف وعمائد کوفہ کے خطوط اس قدر آ گئے تھے جن کی وجہ سے ظاہری مصالح کا تقاضا تھا کہ آپ ادھر کا قصد فرمائیں۔ آپ نے وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے ابنِ عم مسلم بن عقیل کو روانہ فرمایا۔ ان کے خطوط بھی اسی خیال کو تقویت دے رہے تھے کہ حالات نہایت مساعد ہیں اور آپ کو جلد آنا چاہئے۔ آپ نے ادھر کا قصد فرما لیا۔ لیکن ایک منزل پر ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے امام حسینؑ کی معصومانہ بصیرت کا پوری طرح اظہار ہو جاتا ہے، آپ جب

سفر فرما رہے تھے، راستہ میں ایک مقتدر شخصیت بھی سفر کر رہی تھی، -- زہیر قین -- مگر وہ اپنا خیمہ امام حسینؑ کے قافلہ سے ایک منزل پیچھے رکھتے تھے۔ جیسا پہلے عرض کیا ہے۔ امام حسینؑ کی معصومانہ بصیرت اس کا پورے طور سے یقین کر چکی تھی کہ آنے والا شخص اگر چہ بظاہر منحرف ہے، مگر بالآخر اس کی منزل آپ ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ آپ نے انھیں بلایا۔ مگر پہلے وہ اس میں پس وپیش کرتے رہے لیکن زہیر کی زوجہ نے اپنے شوہر سے یہ کہا کہ فرزند رسول تمھیں بلائے اور تم اس طریقہ سے پس وپیش کرو یہ نامناسب بات ہے۔

زہیر بن قین امام حسینؑ کے پاس جانے کے لئے آمادہ ہو گئے، اس سے پہلے وہ جو کچھ بھی رہے ہوں عثمانی ہوں یا کچھ اور لیکن حسین کے پاس سے پلٹنے کے بعد سے ان کے تیور ہی اور تھے۔ اب وہ صرف حسینیت کے علمبردار تھے۔ یہ حسین کی روحانی بصیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ اپنے مشن کی تبلیغ کے لئے جن افراد کی ضرورت تھی ان کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے،

زہیر حسین کے ساتھ معرکۂ کربلا کے ایک بہادر مجاہد بنے اور انھیں کے ساتھ خاک وخون میں آغشتہ ہوئے اور شہادت پائی۔ یہ بہادر جوانمرد راستہ ہی میں حسین کا ساتھی بن گیا۔

دورانِ سفر میں جب کہ حسین کو یزیدی فوج کی زبردست تیاریوں کا علم ہوا جو ان کے مقابلہ مین صف آرا ہونے والی تھی تو آپ نے حضرت مسلم کے صاحبزادوں کے ارادے معلوم کئے کہ ان حالات میں تم کیا کہتے ہو، انھوں نے جواب دیا چچا ہم اپنے باپ کے خون ناحق کا بدلہ ضرور لیں گے۔ یہاں تک کہ اس کوشش میں اپنی جانیں دے دیں۔

آپ کے ساتھ اس شہادت پیکر اقدام میں بہت سے وہ لوگ بھی ہو گئے تھے جو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جنگ بھی اور دوسری لڑائیوں کی طرح ہوگی۔ اس میں مالِ غنیمت بھی ہاتھ آئے گا اور دوسرے فائدے بھی حاصل ہوں گے۔

حسین ایسے لوگوں کی شرکت سے اپنے خونین کفن اقدام کو جو ایزد عزوجل کی موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ کا مستحق بنانے والا تھا میں کوئی نقص پیدا نہیں ہونے دینا چاہتے تھے، انھوں نے ایسے لوگوں کو اپنے سے علٰحدہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

یہ کانٹ چھانٹ آپ نے اس معرکہ میں متعدد بار کی اور صاف لفظوں میں اسے بار بار واضح کرتے رہے کہ اس جنگ کا خاتمہ زر ومال کے حصول پر نہ ہوگا لہٰذا جو لوگ یہ مقصد لئے ہوئے ہم سفر ہو رہے ہیں، انھیں الگ ہو جانا چاہئے اور اس کی ذمہ داری بھی ان پر کچھ نہ ہوگی۔

آخری مرتبہ آپ نے شبِ عاشورا اپنے تمام اصحاب ورفقاء کو جمع کر کے بہت ہی واضح لفظوں میں یہ فرمایا کہ جو صاحبان اس وقت میرے ساتھ سے علٰحدہ ہونا چاہیں وہ چلے جائیں ان پر کسی قسم کی ذمہ داری اس وقت عائد نہیں ہوگی چنانچہ کچھ لوگ اس وقت بھی الگ ہو گئے مگر جن لوگوں نے شہادت کے نورانی جلووں کو اپنی نگاہوں سے دیکھ لیا تھا اور اس کی ضوریزیوں اور ضیا افشانیوں سے متاثر ہو چکے تھے، ان میں سے ایک ایک اٹھتا تھا اور اپنی وفاداریوں کے عہد کی استواری واستحکام کو ظاہر کرنے کے لئے جوش میں بھرے ہوئے مختلف بیان کے پیرائے اختیار کرتا تھا۔ کوئی

یہ کہتا تھا کہ خواہ میں کتنی ہی مرتبہ قتل کیا جاؤں اور میرے سر اور سینے پر تلواریں اور نیزے اپنے جوہر دکھائیں لیکن میں نصرت حسینؑ سے کبھی منہ نہ موڑوں گا اور دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کو توڑ دوں گا۔ حسینؑ نے جب ان رفقاء اور اصحاب کے جوش میں بھرے ہوئے جملے سنے تو انھیں بہت خوشی ہوئی اور ہونا بھی چاہئے تھی۔ ایک طرف حضرت عباسؑ کے جوش میں بھرے ہوئے جملے دوسری طرف حضرت علی اکبرؑ کے شجاعت کے رنگ میں شرابور فقرے ایک عجیب رنگ پیدا کررہے تھے۔ یہی کیف و وجد کا عالم تھا کہ حضرت امام حسینؑ کے صغیر السن بھتیجے حضرت قاسم بن حسنؑ نے یہ دریافت فرمایا کہ کیا میرا عم زاد شش ماہہ علی اصغر بھی شہداء کی صف میں جگہ پائے گا، امام حسینؑ نے جواب دیا ہاں۔ اس کے بعد لڑائی کے اسلحہ صاف کئے جانے لگے اور جنگ کی دوسری تیاریاں کی جانی لگیں۔

آپ غور فرمایئے کہ ان باتوں کی خبر جب خیمہ ہائے عصمت و طہارت تک پہنچی ہوگی اور ان کے سننے میں یہ آتا ہوگا کہ علی الصباح دشت نینوا میں دو فوجیں آمنے سامنے مدمقابل ہوں گی، ایک میں صرف بقول معتبر ۷۲ر افراد ہوں گے جن میں بچے بھی ہوں گے اور بوڑھے بھی اور دوسری طرف بڑے بڑے اپچی ہوں گے مقابلہ کا نتیجہ معلوم ہے کہ کیا ہوگا ہزاروں کی تعداد بہت ہی مختصر اقلیت کے سامنے صف آرا ہوگی اور اپنے حلقوم اور سینوں کو چھیدے جانے اور ٹکڑے ٹکڑے کئے جانے کے لئے پیش کرے گی، آسمان لرز رہے ہوں گے، فرشتے کانپ رہے ہوں گے۔

اسی عالم میں ایک مردِ مجاہد کو خیال آتا ہے کہ نماز کا وقت آگیا ہے لہٰذا کیوں نہ یہ فریضہ ادا کرکے جامِ شہادت نوش کیا جائے۔ فوجِ یزید سے اس کی اجازت طلب کی گئی مگر اس میں سے کسی گستاخ دریدہ دہن شقی نے یہ جواب دیا کہ آپ کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ آپ حکومتِ وقت سے بغاوت کررہے ہیں، حسینؑ کے ایک وفادار رفیق نے یہ جواب دیا کہ ظالم تیری نماز قبول ہوگی اور فرزند رسولؐ کی نہ ہوگی، اس کے بعد حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس شان سے نماز ادا کی کہ کچھ جوانمرد آمنے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوگئے۔ اور دشمنوں کی طرف سے جو تیر آتے تھے اُسے اپنے سینہ پر روکتے تھے، اور کچھ امام حسینؑ کے ساتھ نماز میں مشغول ہوگئے۔ ادھر نماز ختم ہوئی اُدھر وہ جوانمرد میدان میں گر کر ختم ہوگئے۔ امام حسینؑ کی نماز بڑے آن بان کی ہے۔ ہمیں اس سے نماز کی حیثیت کا پورا احساس ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ وہ فریضۂ الٰہی ہے کہ جسے کسی حالت میں ترک نہیں ہونا چاہئے۔

اس دل دوز حادثے کے دامن میں ایسی بہت سی نصیحتیں پوشیدہ ہیں جن پر نظر ڈالنے سے ہماری فکر و عمل کی قوتیں بہت فائدہ اٹھاسکتی ہیں اور ہم اپنی سیرت و کردار کو بہت بنا اور سجا سکتے ہیں۔ یہیں سے ہمیں وہ سبق ملتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر اپنے کو سچی انسانی برادری کا ممتاز فرد بنا سکتے ہیں۔

(بقیہ..................صفحہ ۵۲)

لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں'' گورنر صاحب غیر مسلم حضرات اور سیاح حضرات کے لئے علاحدہ ہال میں انتظام ہوتا ہے تاکہ مجمع کی کثرت کی بنا پر زیارت سے محروم نہ ہوجائیں اور مجلس کے بعد ان حضرات کی چائے وغیرہ سے ضیافت کی جاتی ہے۔(رازؔ اجتہادی عفی عنہ، مارچ ۱۹۷۲ء)

نوٹ:- صفوۃ العلماء رحمت مآب اپنی ساری زندگی مجلس شام غریباں کو خطاب کرتے رہے اور مرحوم کی وفات کے بعد سے ان کے جانشین قائد ملت (متع اللہ المسلمین بطول بقائہ) اپنے مخصوص انداز میں کئی لاکھ کے مجمع کو جو امامباڑہ کے اطراف وجوانب میں بحیثیت سامع ہمہ تن گوش رہتا ہے (ویسے تو دوردرشن سے نشر ہونے کی وجہ سے سننے والے پوری دنیا میں کروروں ہوتے ہیں) خطاب فرمارہے ہیں۔ (ادارہ)

✿✿✿

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔واقعۂ کربلا

واقعۂ کربلا کے دامن میں چھپے ہوئے سبقوں سے اعراض ہماری بہت بڑی محرومی ہوگی۔ جو لوگ اس واقعہ کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان لوگوں کے جرائم وافعال واعمال پر پردہ ڈالنے اور ان کو عام نگاہوں میں سبک وخفیف کرنے کی سعی کرتے ہیں وہ یزیدیت کے دربار سے تو کوئی فائدہ اب پانہیں سکتے، البتہ بارگاہ ایزدی میں مخذول ومنکوب ضرور ہوں گے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ ہمیں سانحہ کربلا کی اس نوعیت ہی پر اکتفا کرلینا کافی نہ ہوگا۔ صرف چند آنسوؤں کا بہالینا جو اس حادثہ کا معمولی اثر ہے اور جس کا مظاہرہ مخالف فوج میں بھی ہونا قرین قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایتوں سے اس کا واقع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، اس سانحہ عظمیٰ کا مطالبہ ہم سے بہت کچھ ہے، یہی کافی نہیں کہ ہم صرف اشکِ خونیں کے آنکھوں سے جاری ہوجانے ہی پر اکتفا کریں بلکہ اس حادثۂ خونیں سے متاثر ہونے پر جو یقیناً ان حالات میں ایک فطری چیز ہے اور جن سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا، مزید غور کرنے کی ضرورت ہے اور سانحہ عظمیٰ سے نصیحت حاصل کرنے کے جو وسیع الذیل مواقع میسر ہیں انھیں ضائع نہ ہونے دینا چاہئے۔

✿✿✿